ماہنامہ
نفاذ اردو
جنوری ۲۰۲۴
۸ فروری ۲۰۲۴
ووٹ صرف قومی زبان کے لیے

ماہنامہ نفاذ اردو جنوری ۲۰۲۴

نفاذ قومی زبان فرض بھی اور قرض بھی

اس شمارے میں

تحریک نفاذ اردو پاکستان

www.tnupak.com, 03495059760

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے خصوصاً نماز کی پابندی کی پابندی کی اور زکواۃ ادا کی تو ان کے رب کے پاس اس کا ثواب محفوظ ہے اور نہ ان کو کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ)

فرمان رسول ﷺ

جو شخص پانچوں نمازوں کی اس طرح پابندی کرے کہ وضو اور اوقات کا اہتمام کرے، رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے اور اس طرح نماز پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کا اپنے ذمے حق سمجھے تو اس آدمی کو جہنم کی آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔ (مسند احمد)

اداریہ

ووٹ قومی زبان کا!

ملک میں عام انتخابات کا عمل جاری ہے۔ عوام کو اگلے پانچ سال (خدا کرے) کے لیے نئی قیادت منتخب کرنے کا موقع ملا رہا ہے۔ گزشتہ چھہتر سال سے ایسے لوگ اقتدار پر قابض رہے ہیں، جو پوری منصوبہ بندی سے قومی زبان کو سرکاری اداروں میں داخلے کو روکے ہوئے ہیں۔ اردو کو ایوان اقتدار سے باہر رکھنے اور انگریزی کے چلن کو عام کرنے کے لیے ہر حکمران نے پہلے سے زیادہ بڑے غلام کا ثبوت دیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے دستور پاکستان میں قومی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دلوایا تاہم اپنے دور حکومت میں اس طرف ایک قدم بھی نہ اٹھا پائے۔ جنرل ضیاء الحق نے مقتدرہ قومی زبان کا ادارہ قائم کر کے نفاذ قومی زبان کے لیے درکار تیاریاں تو مکمل کر لیں لیکن نفاذ کے مرحلے سے پہلے ہی وہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان کے علاوہ کسی حکمران نے قومی زبان کو اہمیت نہیں دی بلکہ ہر ایک نے قومی زبان کا ناطقہ بند کرنے کی پوری کوشش کی اور انگریزی کے چلن کو عام کرنے کے لیے قومی خزانے سے بھاری سرمایہ خرچ کیا۔

اب موقعہ ہے کہ قومی زبان کے ان دشمنوں کو ووٹ کی پرچی کے ذریعے عبرت کا نشان بنایا جائے۔ جو ووٹ مانگنے آئے اس سے تحریری طور پر یہ عہد لیں کہ وہ پارلیمان میں جا کر انگریزی زبان کے ناجائز تسلط کے خاتمے اور قومی زبان اردو کے نفاذ کے لیے اپنا کردار ادا کرے گا۔

سارے سیاستدان انتخابی مہم تو قومی زبان اردو میں چلاتے ہیں اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد سب سے زیادہ زور قومی زبان کو سرکاری اداروں سے دور رکھنے پر لگاتے ہیں۔ انتخابی عمل میں شامل تمام بڑی سیاسی جماعتیں اقتدار میں رہ چکی ہیں اور قومی زبان بارے ان کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی ووٹ دینے کے لیے لازم ہے کہ پارٹی قیادت اور ہر امیدوار سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ ماضی کی کوتاہیوں کا ازالہ کرے گا اور برسر اقتدار آتے ہی دستور کے مطابق قومی زبان اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دلوائے گا۔

عوام قومی زبان سے اپنی محبت کا ثبوت دیں اور ہر امیدوار سے عہد نامہ تو لیں تاکہ انتخاب میں حصہ لینے والوں کو یہ تو اندازہ ہو کہ قوم کیا چاہتی ہے اور مقتدرہ طبقہ کیا کر رہا ہے۔ قومی زبان کو سرکاری درجہ نہ دینا سوائے مغربی غلامی اور اشرافیہ کی بالادستی قائم رکھنے کی سازش کا حصہ ہے تاکہ عام شہری اقتدار اور اعلیٰ ملازمتوں میں آ کر اشرافیہ کے نالائق بچوں کو چیلنج نہ کر سکے۔

عطاء الرحمن چوہان، مدیر اعلیٰ

20 جنوری 2024

نفاذ اردو۔ اعتراضات کے جوابات

تحریر: محبوب علی پرکانی

آج کل حضرات ایک دو جملے پڑھ کر آگے نکل جاتے ہیں لہذا تمہید نہیں باندھتے بلکہ موضوع کی طرف آتے ہیں۔ مطالبہ ہوا تھا کہ سی ایس ایس کا امتحان انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی لیا جائے تو احباب نے مختلف اعتراضات کیے جن کے جوابات عرض ہیں۔

1. اردو میں نصابی کتب کی کمی:

اکثر افراد کا کہنا ہے کہ سی ایس ایس میں مختلف مضامین سے متعلق کتابیں مارکیٹ میں موجود نہیں۔ مثلاً جرمیات (Criminology) کا مطالعہ کرنا ہو تو کتاب کہاں سے لائیں؟ اس مسلے کا حل ایک حکمت عملی کے تحت آسانی سے نکل سکتا ہے بشرطیکہ فیڈرل پبلک سروس کمیشن راضی ہو۔ اردو میں اتنی وسعت ہے کہ وہ دقیق سے دقیق موضوعات کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جب جہانگیر ورلڈ ٹائمز رسالے کا اجراء انگریزی کے ساتھ اردو میں ہو سکتا ہے تو پھر یہی پبلشر مختلف موضوعات اور مضامین پر اردو کتابیں بھی شائع کر سکتی ہیں لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب مارکیٹ میں اس کی طلب ہو اور یہ طلب پیدا کرنے کے لیے فیڈرل پبلک سروس کمیشن کو سی ایس ایس میں انگریزی کے ساتھ اردو میں تمام اختیاری اور لازمی مضامین کے امتحان لینے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ مذید جو کتابیں پہلے موجود ہیں ان کا بامحاورہ ترجمہ کیا جائے تو یہ نہ صرف اردو کو علم کی نئی راہوں سے روشناس کرائے گا بلکہ اس کے اثرات پورے نظام تعلیم پر پڑیں گے اور دیگر سائنسی مضامین جو جامعات میں پڑھائے جا رہے ہیں ان تک بھی طلبا آسان اردو میں رسائی حاصل کر پائیں گے جس سے تعلیمی نظام فقط ڈگری والے طالب علم نہیں بلکہ سائنس دان بھی پیدا کر پائے گی۔

2. سفارت کاری کی غرض سے سفیروں کو بیرون ملک نمائندگی کے لیے انگریزی سیکھنا لازم ہے اردو نہیں۔

ذرا سوچیے! جو ممالک اپنی قومی زبان میں اپنے بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں تو کیا وہ سفارتی سطح پر ناکام ہیں؟ نہیں بلکہ وہ ہم سے بڑھ کر دیگر ممالک کے ساتھ بہترین دوطرفہ تعلقات رکھتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہرگز نہیں کہ انگریزی کو نظام تعلیم سے بے دخل کر دو بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ انگریزی کو بطور زبان پڑھاؤ۔ چلیں آپ بضد ہیں کہ سی ایس ایس میں انگریزی ہر صورت موجود رہے تو ٹھیک ہے لیکن انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو لکھنے والوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انگریزی اور اردو میں سے اپنی پسندیدہ زبان کا انتخاب کریں اور یہ اختیار انھیں لازمی (Compulsory) اور اختیاری (optional) سارے مضامین میں دیا جائے۔ چند سائنسی مضامین جیسے فزکس، کیمسٹری، ریاضی، ارضیات وغیرہ جن کو اختیار کرنے سے خود لوگ اجتناب کرتے ہیں ان کا معاملہ الگ ہے۔ ہم ابھی تک سائنسی مضامین کو مکمل طور پر اردو میں نہیں لا پائے کیونکہ ہم نے اب تک کوئی سنجیدہ کوشش کی ہی نہیں۔ لیکن اگر سنجیدگی سے اس جانب قدم بڑھایا جائے تو یہ ناممکن نہیں لیکن اس کے لیے پہلا قدم سی ایس ایس کے دیگر مضامین کو اردو میں لانا ہوگا تب ہی راہ ہموار ہوگی۔ مذید اگر یہ تلخ کلامی نہ ہو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اب تک انگریزی کو جبری طور پر نافذ کرنے سے سفارتی سطح پر ہمیں کونسی کامیابیاں ملی ہیں؟ سفارتی تعلقات

میں ہر چیز زبان نہیں ہوتی بلکہ دیگر معاملات بھی ہوتے ہیں جنھیں ہم نظر انداز کیے بیٹھے ہیں۔

3. دفتری کام انگریزی میں ہوتا ہے تو اردو کیسے نافذ ہو؟

یہ سوال کم اور بہانہ زیادہ ہے۔ محترم تو کس نے کہا کہ دفتری کام انگریزی میں ہی لازم ہے؟ دفتری کام کا تو تعلق ہی عوام سے ہے اور عوام کی اکثریت مشکل الفاظ والی انگریزی سے نابلد ہے۔ محکمہ پولیس میں ایف آئی آر کے اندراج اور دیگر کاروائی اردو زبان میں ہوتی ہے گو یہ فارسی آمیز اردو ہے لیکن با آسانی سمجھی جا سکتی ہے۔ اب اس سے پولیس کی کارکردگی اور ایمانداری کا کوئی لینا دینا نہیں بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جرائم کے متعلق قانونی نکات اردو میں بیان ہو سکتے ہیں تو دیگر کام کیوں نہیں؟

4. اردو ہی کیوں دیگر مقامی زبانیں کیوں نہیں؟

دیکھیے اردو دوسری زبانوں کو روک نہیں رہی بلکہ یہ اردو ہی ہے جو دیگر زبانوں کے فروغ میں پیش پیش ہے۔ اردو کا ادبی سرمایہ بڑھانے میں دیگر زبانوں کے بولنے والوں کا ہاتھ ہے۔ سنگلاخ پہاڑوں کی سرزمین بلوچستان میں اردو کا پہلا دیوان ملا محمد حسن براہوی نے 1847ء میں مکمل کیا یعنی جنگ آزادی 1857 سے بھی دس سال پہلے۔ یہ تو ایک مثال ہے کہ اردو میں اہل زبان کی بجائے دیگر زبانوں کے بولنے والوں نے اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اردو میں مقامی زبانوں کے الفاظ کثرت سے ہیں اور اسی طرح اردو کے الفاظ دوسری زبانوں میں استعمال ہو رہے ہیں لہٰذا یہ کسی کے لیے اجنبی نہیں اور نہ ہی کسی زبان کا دشمن۔ اسی طرح مقامی زبانیں ایک خاص علاقے تک محدود ہیں جبکہ یہ زبان ملک کے ہر کونے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ زبان ایک اظہار کا ایک وسیلہ ہے اور اردو ملک میں اظہار مطلب کا بہترین ذریعہ۔ دیگر مقامی زبانوں کے ادب کو بھی اسی وقت اہمیت مل سکتی ہے جب اردو کا نفاذ ہو گا۔

5. اعداد و شمار کے مطابق سی سی ایس کے امتحان میں اردو کے پرچے میں امیدوار فیل ہو رہے ہیں تو پھر تمام مضامین اردو میں لانا حماقت ہے۔

پہلی بات آپ جس اردو کے پرچے کی بات کر رہے ہیں وہ اردو ادب کا اختیاری مضمون ہے۔ جس کے سلیبس میں اردو کلاسیکل شاعری اور اردو ادب کی تحریکوں کے ساتھ ساتھ مختلف نثری تصانیف پر تنقیدی نظر ڈالنا ہے جو ہر اردو لکھنے والے کے لیے سیکھنا لازم نہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک اچھی انگریزی لکھنے والے کو کہنا کہ وہ شیکسپیئر کے ڈراموں اور ورڈزورتھ کی شاعری پر جامع نوٹ لکھے۔ جیسے انگریزی ادب کا مطالعہ ایک الگ مضون ہے بالکل اسی طرح اردو ادب کا مطالعہ ایک الگ معاملہ ہے۔ مذید سی ایس ایس انگریزی میں ہونے کے باعث اردو کے بہت سے قابل طلبا سی ایس ایس کے امتحان میں بیٹھتے ہی نہیں تو پھر چند لوگوں کی ناکامی سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اردو تو مشکل ہے سراسر ایک غلط فہمی ہے۔

6. اردو کی نسبت انگریزی آسان ہے؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ جملے بھی انگریزی کے حمایتی اردو میں تحریر کر رہے ہوتے ہیں کہ اردو مشکل ہے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کئی بچے اسکول جانے سے پہلے گھر میں ٹی وی دیکھ کر اور گھر میں بڑے بہن بھائیوں کو سن کر اردو سیکھ جاتے ہیں اور اردو میں بات کرنا شروع کر دیتے ہیں جبکہ اسی بے تکلفی سے انھیں اردو میں بات کرنے کے لیے میٹرک اور ایف ایس سی کرنے کے بعد بھی لینگویج سینٹر کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی انگریز کو کہا جائے کہ وہ اردو زبان میں تین گھنٹوں میں پچیس سو الفاظ پر مشتمل مضمون لکھے جس میں غلطی کی گنجائش نہ ہو تو پھر اس سے کامیابی کی امیدیں کس قدر ہو نگی؟

جو افراد یہ کہیں کہ اس قدر مشکل پسندی کیوں؟ جب آسان حل یہ ہے کہ انگریزی سیکھا جائے تو عرض ہے کہ پچھلے کئی دہائیوں سے تعلیمی نظام میں انگریزی کو زبردستی نافذ کرکے طلبا کے مستقبل پر تجربات کیے جارہے ہیں لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہیں ہوا۔ سی ایس ایس میں کامیاب ہونے والوں کی شرح تین فیصد سے اوپر نہیں جاتی اور نہ ہی اس نظام سے سائنس دان پیدا ہو رہے ہیں۔ سی ایس ایس امتحان انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں ہونے سے کئی قابل افراد آگے آئیں گے۔ اگر سی ایس ایس میں مختص سیٹوں کی تعداد نہ بھی بڑھے تو بھی کوئی مسلہ نہیں البتہ اس امتحان میں مدارس میں پڑھنے والے غریب طلبا بھی حصہ لے پائیں گے اور معاشرے میں برابری کی سطح پر مقابلہ ہوگا۔ اس شعبے میں اردو کے نفاذ سے پورے ملک کے نظام تعلیم پر مثبت اثرات پڑیں گے۔

اردو کی خوش قسمتی کہ اسے شروع ہی سے ایسے افراد میسر آئے جنھوں نے بلا کسی لالچ اور غرض وغایت کے اس کے فروغ کے لیے کوششیں کیں جن میں بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم سرفہرست ہیں۔ اب بھی لوگ ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر احیائے اردو کے لیے برسرپیکار ہیں۔ اردو کے مخالفین جب کوئی دلیل پیش نہیں کرپاتے تو پھر طعنہ زنی پر اتر آتے ہیں کیونکہ اردو کے نفاذ سے بہت سے انگریزی اسکولوں اور اداروں کا کاروبار بند ہو جائے گا اور یہ زبان ایک غریب کو بھی اشرافیہ کے مقابل لے آئے گی جو یہ طبقہ نہیں چاہتا۔ یاد رہے جو ملک کے معاشی اور دیگر مسائل کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ یہ کس بحث میں الجھ پڑے ہو تو یاد دہانی ہو جائے کہ اردو نے اسی وقت ترقی کی تھی جب بدحالی اور بے یقینی کا دور تھا۔ جب شہر دلی تباہی کا شکار تھا، لوگ پریشان حال تھے لیکن کسے معلوم تھا کہ یہی دور اردو شاعری کا سنہری دور کہلائے گا۔ جب انگریز مسلط ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی حکومت برصغیر میں اپنی آخری سانس لے چکی تھی لیکن کسے پتہ تھا کہ یہ اردو نثر کی ترقی کا دور ہوگا۔ آج بھی اس دشوار ماحول میں اردو کو ابھرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔۔ ان شاءاللہ

نعت۔۔۔ اختر چیمہ (سیالکوٹ)

مہرباں گر حضور ہو جائیں
سارے دکھ درد دور ہو جائیں

خاک پائے حضور کو چومیں
لوگ گر باشعور ہو جائیں

ان کو کعبہ بھی مل نہیں سکتا
جو مدینے سے دور ہو جائیں

اسوہءحسنہ پر عمل کرکے
دور سارے فتور ہو جائیں

مصطفیٰ پر درود پڑھنے سے
قلب وجاں نور و نور ہو جائیں

خاک مل جائے گر مدینے کی
روگ سارے ہی دور ہو جائیں

جو در مصطفیٰ پہ جھک جائے
کام اس کے ضرور ہو جائیں

اردو زبان اور اِسلامی ثقافت کی بیخ کنی

الطاف حسن قریشی

22 دسمبر 2023

"پیرپور تحقیقاتی رپورٹ" (انڈیا) کے مطابق کانگریسی قیادت فرقہ وارانہ فسادات کی ذمے داری مسلمانوں پر ڈالتی رہی۔ وزیرِ انصاف ڈاکٹر کے۔ این۔ کاٹجو نے قرار دِیا کہ مسلم لیگی ارکان کے غیر ذمے دارانہ بیانات اور اُردو اَخبارات میں حکومت کو بدنام کرنے والے مضامین دراصل فرقہ وارانہ فسادات کے ذمے دار ہیں اور اَیک اقلیتی فرقہ تقریر و تحریر کی آزادی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر حکومت کو ناکام بنادینا چاہتا ہے۔ وزیرِ موصوف کیلئے مناسب تھا کہ بیان دینے سے پہلے کم از کم اپنے ہی شہر میں ہونے والے فساد کے ایک مقدّمے میں مجسٹریٹ کا یہ فیصلہ پڑھ لیتے کہ ''فساد کی پہل ہندو کرتے ہیں۔''

یوپی کے وزیرِاعظم مسٹر جی۔ بی۔ پنت کی رائے میں مسلم لیگ کا قابلِ اعتراض پروپیگنڈا حکومت کو ناکام بنانے کی ایک کوشش تھی، جبکہ تمام جمہوری ممالک میں حزبِ مخالف حکومت پر تنقید کرنے کی مجاز سمجھی جاتی ہے اور اُس پر کوئی سنگین الزام نہیں لگایا جاتا۔ ہمیں یقین ہے کہ اِس مصیبت کی جڑ نیشنلزم کے نام پر ایک فرقے کے آدرشوں کا پرچار اَور اُنہیں زبردستی ذہنوں پر تھوپنا ہے۔ مسلمانوں کو بخوبی علم تھا کہ اُن کے پاس طاقت نہیں اور وُہ اَکثریتی فرقے سے خوشگوار تعلق استوار کر کے ہی مناسب تحفظ حاصل کر سکتے ہیں، مگر کانگریسی حکومتوں نے ہندو بلوائیوں کو شہ دے کر مسلمانوں کا اعتماد پارہ پارہ کر دیا ہے۔

حالیہ دور میں زبان اور ثقافت کا مسئلہ بے حد اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ بدقسمتی سے کانگریس کے بعض ممتاز لیکن پراگندہ ذہن کے مالک رہنما یہ برملا اعلان کرتے آئے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، حالانکہ ثقافت کا لفظ وسیع مفہوم رکھتا ہے جو اِنسان کی تمام ذہنی کاوشوں، ذوقِ جمالیات، روحانیت، اخلاق، معاشی، معاشرتی اور سیاسی دائروں پر محیط ہے۔ ثقافت کا صحیح مرکز انسانی ذہن ہے۔ ذہن جیسا ہو گا، اُسی طرح کا ثقافتی عمل ظہور میں آئے گا۔

اردو زبان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اِس نے ایک عظیم تخلیقی اور ثقافتی عمل سے پرورش پائی ہے۔ ہندوستان میں مسلم حکمران فارسی یا عربی زبان بولتے تھے، مگر اُنہوں نے ہندی اور سنسکرت زبانوں کے ملاپ سے اردو تشکیل دی جو ہندوستان کے عوام کی مشترکہ زبان قرار پائی۔ بدقسمتی سے فرقہ وارانہ کشیدگی نے زبان کے مسئلے پر بھی نہایت منفی اثر ڈالا ہے اور اُردو جو اَب تک ہندوستان کی مشترکہ زبان تھی، اُسے صرف مسلمانوں کی زبان کا نام دے دیا گیا۔ اِس امر کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ جب مسلمانوں نے اردو زبان کو اَپنانے کا فیصلہ کیا تھا، تو اپنا تمام ذخیرۂ علم اُس میں منتقل کر دیا تھا، اِس لیے وہ اُسے نیست و نابود کر دینے والی ہر سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے زبان کے مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس ہندوستان میں اقلیتوں کی زبان اور ثقافت کے تحفظ کی ضامن ہے اور صوبے کی بڑی بڑی زبانوں کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہے، لیکن اِسی کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہندوستانی زبان کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے جبکہ ہندوستانی زبان کا کوئی وجود نہیں۔ ہمیں

سنسکرت کے اُن حامیوں پر حیرت ہے جو ایک مردہ زبان کو ہندوستانی زبان کا درجہ دے کر اُسے نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

صوبہ بہار کے وزیرِ تعلیم کی دو تقریریں اِس موضوع پر پوری روشنی ڈالتی ہیں۔ نصاب کمیٹی کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے اُنہوں نے اعلان کیا کہ ہندوستان کی روح اب جاگ اٹھی ہے جو اَپنے اظہار، پہچان اور تکمیل کیلئے چیخ رہی ہے، مگر وہ اَپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتی جب تک اِسے وہی سانچہ نہ مل جائے جس میں کبیر، نانک، تُلسی داس نے سوچا، پڑھا، گایا اور پراتھنا کی تھی۔ ہمارے نزدیک وزیرِ تعلیم نے ہندوستان کے ثقافتی مستقبل کی کس قدر تنگ اور یک رخی تصویر دکھائی ہے۔ وہ خسرو، غالبؔ اور میرؔ کا وجود یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں بلکہ پراتھنا کے مذہبی عنصر کو بھی ثقافت کا حصّہ بناڈالا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ پراتھنا کی شمولیت سے تعلیم کا دنیاوی رنگ کس طرح قائم رکھا جا سکے گا۔ وزیرِ تعلیم کے اِن ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ آئندہ کس قسم کا ثقافتی ماحول پیدا کرنا مقصود ہے اور وُہ خلیج کس قدر گہری ہو جائے گی جو کانگریس کے ذمے داروں کی غیر ذمے داری سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت اردو بولتی اور پڑھتی ہے اور یہی اُن کی مادری زبان ہے۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے اِس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ اگر اُن کے بچوں کو اُن کی مادری زبان کے بجائے کسی اور صوبائی زبان میں تعلیم دی گئی، تو اِس سے اُن میں ثقافتی زوال بھی آئے گا اور وُہ مقابلے کے امتحانات میں دوسرے فرقوں کے اُن بچوں کی نسبت گھاٹے میں رہیں گے جنھوں نے مادری زبان میں تعلیم حاصل کی ہو گی۔

اڑیسہ اور سی پی کے مرہٹی بولنے والے اضلاع اور بہار کے مسلمان اِس تجویز پر سخت پریشان ہیں کہ اُن کا ذریعۂ تعلیم اڑیا اور مرہٹی ہو گا جبکہ اُردو ذریعۂ تعلیم کی زبانوں سے خارج کر دی جائے گی۔

ہمارے سامنے یہ شکایتیں بھی آئی ہیں کہ حکومتی اور بلدیاتی ادارے اُن مقامات پر اردو اسکول کھولنے پر رضامند نہیں جہاں مسلمان طالبِ علموں کی معقول تعداد موجود ہے۔ مالا بار میں ڈسٹرکٹ بورڈ نے جن 73/ اسکولوں کو غیر منافع بخش قرار دَے کر بند کرنے کی سفارش کی ہے، اُن میں 58/ اسکول مسلمانوں کے ہیں۔ بد قسمتی سے وہ بیشتر خصوصی مراعات جو سابقہ حکومتوں نے تعلیم کی حوصلہ افزائی کیلئے منظور کی تھیں، کانگریسی حکومت نے واپس لے لی ہیں۔ سواگور (saugor) اور مانڈلا (mandla) کے اضلاع جو بہار میں واقع ہیں اور جہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے، اُن میں ایک بھی اردو اسکول نہیں۔ ہنگن گھاٹ (hingan ghat) میں ابتدائی اور بالائی جماعتوں میں ساری پڑھائی مرہٹی زبان میں ہو رہی ہے۔ سی پی اور بہار کے صوبوں میں بلدیات کی طرف سے اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں مسترد کر دی جاتی ہیں۔ جو درسی کتابیں لگائی گئی ہیں، وہ صرف ہندو دَیوتاؤں، ہندو جانبازوں اور رشیوں کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ اُن میں مسلمانوں کے اکابرین اور اُن کی قابلِ قدر ثقافتی یا معاشرتی کامیابیوں کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ (جاری ہے)

https://e.jang.com.pk/detail/594762

زبان حریت اردو اور تحریک آزادی فلسطین

تحریر ظہیر گیلانی

پاکستان کی قومی زبان ہمیشہ حریت کی زبان اور آزادی کی پاسبان رہی ہے۔ کوئی تحریک آزادی ہو، کہیں طاقتور ظالم، کمزور مظلوموں پر ستم ڈھا رہا ہو، کہیں ظلم کرنے کی سازش ہو رہی ہو، اردو حریت اور مزحمت کی زبان کے طور پر سامنے آتی ہے۔

انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کا معاملہ ہو تو پورے بر صغیر کے عوام کے جذبات کی ترجمانی اردو کرتی نظر آتی ہے۔ جلسوں، جلوسوں میں مطالبات اردو میں پیش کیئے گئے اور نعرے اردو میں لگائے گئے۔ صحافت کی زبان بھی زیادہ تر اردو ہی رہی۔ جب ہندوں کے انتہاپسند طبقے نے انگریز سے ساز باز کر کے مسلمانان ہند کے مفادات کے خلاف سازشیں شروع کیں تو اردو نے مسلمانوں کے خلاف منصوبوں کو بے نقاب کیا اور مسلم ہند کے عوام کی آواز اردو میں ہی بلند ہوئی۔

تحریک پاکستان کی زبان بھی اردو بنی۔ صحافت، شاعری، ادب اور سیاست کی سب سے بڑی زبان اردو رہی۔ کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا تو تحریک آزادی کشمیر کی تقاریر، بیانات، نعرے، اردو ہی ہے۔ ویتنام میں استعماری قوتوں کے مظالم کے خلاف اور ویتنام کے عوام کی بے مثال ہمت، شجاعت اور ثابت قدمی کے اعتراف اور یک جہتی کا اظہار پاکستان کے طول و عرض میں اردو زبان میں کیا گیا۔ ویتنام، افریقہ، جنوبی امریکہ کے حریت پسندوں کی نظموں، آپ بیتیوں وغیرہ کے تراجم اردو میں ہوئے۔ لاتعداد ادیبوں نے اپنے فن کا مظاہرہ اردو میں کیا۔ فلسطین میں ظلم کا بازار گرم ہوا تو پاکستانی ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، سیاست دانوں اور عوام نے صدائے احتجاج اردو میں بلند کی۔

فلسطین آجکل پھر جل رہا ہے۔ فلسطین ہمیشہ سے مسلمانان پاکستان

کی دلوں کی دھڑکن رہا ہے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے بھی برطانیہ کی کالونی ہونے کے باوجود مسلمان زعما اور دانشور فلسطین کے خلاف ہونے والی سازشوں سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس کی روک تھام کیلیئے مقدور بھر سعی کرتے رہے۔ بانیان پاکستان قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فلسطینیوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کی جانے والی کوششوں میں پیش پیش رہے۔

علامہ محمد اقبال صرف مصور پاکستان ہی نہیں بلکہ شاعر مشرق بھی تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کے عظیم راہنما اور فلسفی تھے۔ وہ امت محمدیہ کو ایک جسد واحد سمجھتے تھے۔ امت کو پہنچنے والی ہر تکلیف پر وہ تڑپ تڑپ جاتے تھے۔ مسئلہ فلسطین کو بھی وہ صرف عربوں کا مسئلہ نہیں بلکہ امت محمدیہ کے خلاف ایک گھناؤنی سازش قرار دیتے ہے۔ وہ ایسے مفکر اور دانشور تھے جو اپنی خداداد فراست سے کسی بھی معاملے کی ظاہری صورت کے علاوہ اس کی تہ میں کارفرما عوامل کا ادراک رکھتے تھے۔ ابھی فلسطین کی تقسیم کا عمل شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے اہل مشرق کو آگاہ کر دیا تھا یہ صرف

یہود کے لیئے ایک وطن تلاش کرنے کی کوشش نہیں بلکہ مشرق کے دروازے پر مغربی پہرے دار کھڑا کرنے کی کوشش ہے تاکہ وہ اس سٹریٹیجک مقام پر اپنا مظبوط اڈا قائم کر کے تمام اقوام شرق کو کنٹرول کر سکے۔

علامہ اقبال اپنی نظم شام و فلسطین میں مسلمانان عالم کو متوجہ کرتے ہوئے خبر دار کرتے ہیں کہ:

فلسطین ہمیشہ سے مسلمانان پاکستان کی دلوں کی دھڑکن رہا ہے۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے بھی برطانیہ کی کالونی ہونے کے باوجود مسلمان زعما اور دانشور فلسطین کے خلاف ہونے والی سازشوں سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس کی روک تھام کیلیئے مقدور بھر سعی کرتے رہے۔ بانیان پاکستان قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فلسطینیوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کی جانے والی کوششوں میں پیش پیش رہے۔

علامہ محمد اقبال صرف مصور پاکستان ہی نہیں بلکہ شاعر مشرق بھی تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کے عظیم راہنما اور فلسفی تھے۔ وہ امت محمدیہ کو ایک جسد واحد سمجھتے تھے۔ امت کو پہنچنے والی ہر تکلیف پر وہ تڑپ تڑپ جاتے تھے۔ مسئلہ فلسطین کو بھی وہ صرف عربوں کا مسئلہ نہیں بلکہ امت محمدیہ کے خلاف ایک گھناؤنی سازش قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسے مفکر اور دانشور تھے جو اپنی خداداد فراست سے کسی بھی معاملے کی ظاہری صورت کے علاوہ اس کی تہ میں کارفرما عوامل کا ادراک رکھتے تھے۔ ابھی فلسطین کی تقسیم کا عمل شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے اہل مشرق کو آگاہ کر دیا تھا یہ صرف یہود کے لیئے ایک وطن تلاش کرنے کی کوشش نہیں بلکہ مشرق کے دروازے پر مغربی پہرے دار کھڑا کرنے کی کوشش ہے تاکہ وہ اس سٹریٹیجک مقام پر اپنا مظبوط اڈا قائم کر کے تمام اقوام شرق کو کنٹرول کر سکے۔

علامہ اقبال اپنی نظم شام و فلسطین میں مسلمانان عالم کو متوجہ کرتے ہوئے خبر دار کرتے ہیں کہ:

رِندانِ فرانسیس کا میخانہ سلامت
پُر ہے مئے گُلرنگ سے ہر شیشہ حلَب کا
ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عَرب کا
مقصد ہے مُلوکیّتِ انگلیس کا کچھ اور
قصّہ نہیں نارنج کا یا شہد و رُطَب کا

سنہ 1937 میں علامہ شدید علیل تھے۔ لیکن امت مسلمہ کی نبض پر رکھا ان کا ہاتھ مسلسل عالم عرب کے قلب میں خنجر گھونپے جانے کی خبر دے رہا تھا۔ فلسطین کے لئے بنائے گئے رائل کمشن نے عربوں کے مفادات خلاف اور یہود کے حق میں صریح ناانصافی پر مبنی رپورٹ پیش کی تو اقبال تڑپ اٹھے۔ علامہ کی تحریک پر فوری طور پر ایک احتجاجی جلسے کا اہتمام ہوا۔ علامہ شدید علالت کی وجہ سے خود تو شریک نہ ہو سکے مگر انہوں نے ایک طویل بیان لکھ کر بھیجا جو جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔

علامہ اقبال آخری دم تک حق و باطل کے معرکے میں حق کے لیے ڈٹے رہنے پر یقین رکھتے تھے، اس لیئے رائل کمیشن کی رپورٹ کے باوجود انگریزوں کا ضمیر جگانے کی کوشش پیہم کرتے رہے۔ انگلستان کی نیشنل لیگ کی صدر محترمہ فارکوہرسن کو 20 جولائی کے خط میں لکھتے ہیں:

"میں بدستور علیل ہوں۔ اس لئے تفصیل سے آپ کو نہیں لکھ سکتا کہ رائل کمیشن کی رپورٹ نے میرے دل پر کیسا چرکا لگایا ہے۔ نہ یہ بتانے پر قادر ہوں کہ اس رپورٹ سے ہندوستان کے مسلمان بلخصوص اور تمام ایشیا کے مسلمان بالعموم کس قدر رنج و الم کا شکار ہوئے ہیں۔ اور غم و غصہ کے یہ جذبات آئندہ کیا رنگ اختیار کریں گے۔ نیشنل لیگ کو چاہیئے کہ بیک آواز اس ظلم اور طغیان

کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور برطانوی باشندوں کو سمجھائے کہ عربوں کے خلاف نہ انصافی نہ کریں---------
ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فلسطین برطانیہ کی ملکیت نہیں۔ ایشیا کے مسلمان حقیقت سے بخوبی واقف ہوتے جارہے ہیں کہ یہ جمعیت اقوام(League of Nations), دراصل ایک اینگلو فرانسیسی ادارہ ہے جس کا مقصد صرف اسلامی ممالک کے حصے بخرے کرکے انہیں کمزور سے کمزور تر کر دینا ہے۔-------"

علامہ تمام حقائق کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود نہ تو رحمت باری تعالیٰ سے مایوس ہوتے ہیں نہ ہی مستقبل کے بارے میں مایوسی پھیلانا چاہتے ہیں بلکہ اس ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور ترغیب بھی دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

دیکھا ہے مُلوکیّتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالَمِ مشرق کا جینوا
شاید کُرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

ایک طرف علامہ اقبال عالم شرق کے راہنماؤں کو جمعیت اقوم کے بجائے اپنی جمعیت بنانے کی ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو دوسری طرف فلسطین و عرب کے عوام کو آزادی کی جدوجہد شروع کرنے کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں:

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دَوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سُنا ہے مَیں نے، غلامی سے اُمتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذّتِ نمود میں ہے!

علامہ اقبال کے بعد جس شاعر نے فلسطین کے سب سے زیادہ کام کیا وہ فیض احمد فیض ہیں۔ انہوں نے عالمی سطح پر فلسطینی عوام کے حقوق کی آواز بلند کی۔ اور بہت سی دل دہلا دینے والی نظمیں لکھ کر پاکستان عوام کو علامہ اقبال کے افکار سے جوڑے رکھا۔ فلسطین سے بے دخل کرنے کے بعد صیہونی دہشت گردان کا پیچھا کرتے رہے اور ان کے مہاجر کیمپوں میں بھی خون کی ہولی کھیلتے رہے۔ بیروت کے فلسطینی کیمپ پر اسرائیل طیاروں کی بمباری کے وقت فیض لبنان میں ہی تھے۔ اپنی نظم ایک نغمہ کربلائے بیروت کے لیئے میں کہتے ہیں:

بیروت نگارِ بزمِ جہاں
بیروت بدیلِ باغِ جناں
بچوں کی ہنستی آنکھوں کے
جو آئینے چکنا چور ہوئے
اب ان کے ستاروں کی لَو سے
اس شہر کی راتیں روشن ہیں
اور رُخشاں ہے ارضِ لبنان
بیروت نگارِ بزمِ جہاں
جو چہرے لہو کے غازے کی
زینت سے سوا پُر نور ہوئی
اب ان کے رنگیں پر تو سے
اس شہر کی گلیاں روشن ہیں
اور تاباں ہے ارضِ لبنان
بیروت نگارِ بزمِ جہاں
ہر ویراں گھر، ہر ایک کھنڈر
ہم پایۂ قصرِ دارا ہے
ہر غازی رشکِ اسکندر
ہر دختر ہمسرِ لیلیٰ ہے

یہ شہر ازل سے قائم ہے

یہ شہر ابد تک دائم ہے

بیروت نگارِ بزمِ جہاں

بیروت بدیلِ باغِ جناں

احمد فراز اپنی نظم بیروت میں پوچھتے ہیں کہ:

یہ سربریدہ بدن ہے کس کا

یہ جامہ خون کفن ہے کس کا

یہ کس لہو سے زمین یاقوت بن گئی

یہ کس کی آغوش کس کا تابوت بن گئی۔

احمد ندیم قاسمی اپنی نظم اردن میں فلسطینی عوام کے قتل عام کو دیکھتے ہیں بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ:

یہاں تو حد نظر تک ایک دشت ہے لہو کا

لہو کہ جس میں ہمارے اپنے لہو کی خوشبو بسی ہوئی ہے

مندرجہ بالا اشعار اور شعرا کے نام تو لیئے جانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اقبال سے قاسمی تک ہماری نسل ان ناموں اور کسی حد تک ان کے افکار سے واقف ہے۔ دوسری وجہ اختصار کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہمارے بے شمار نامی گرامی شعرا نے اپنے خون دل سے ہمارے خون کو گرمانے رکھنے میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ نمونہ از خروارے کے طور پر سلطان رشک، ن م راشد، ادا جعفری، حبیب جالب، ابن انشا، نذیر قیصر، سید ضمیر جعفری، شہزاد احمد، خاطر غزنوی و دیگر شعراء عظام کے بے مثال کام ہمارا سر فخر سے بلند کیے ہوئے ہیں۔

صرف شاعری ہی نہیں ادب کی دیگر اصناف میں بھی ہمارے ادیبوں نے فلسطین کے لئے بہت کام کیا ہے۔ بہت سے افسانے لکھے گئے ہیں مثلاً: انتظار حسین کا افسانہ شرم الحرم، قدرت اللہ شہاب کا اے بنی اسرائیل، مظہر الاسلام کا زمین کا اغوا وغیرہ۔ مستنصر حسین تارڑ کا سفر نامہ خانہ بدوش بھی خاصے کی چیز ہے۔

پاکستان کا شاید ہی کوئی شاعر وادیب ایسا ہو جس نے فلسطین کے لئے اپنا قلم اپنے لہو میں ڈبو کر نہ لکھا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بڑے شاعروں اور ادیبوں کے ادبی کام چونکہ بڑے رسائل میں شائع ہوتے ہیں اور کتابیں بھی چھپتی ہیں اس لئے ان کا کلام اور تحریریں قدرے آسانی سے مل جاتی ہیں۔ لیکن ہمیں ان شعرا و ادبا کو بھی سلام پیش کرنا چاہیے جن تک ہم نہیں پہنچ پائے مگر انہوں نے مقامی سطح پر اپنے خون جگر اور فلسطینی خون شہیداں کے چراغ جلائے رکھے۔ اس طرح فلسطین کے خون کو ہمارے لئے مشعل راہ بنائے رکھا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہماری رگوں میں قومی غیرت وملی ہمیت خون بن کر دوڑتی رہے گی اور اردو زبان اس کا برملا اظہار کرتی رہے گی۔

تحریک نفاذ اردو پشاور کے عہدیداروں کے اجلاس کے شرکاء، صدر تحریک بھی موجود ہیں۔

اے نئے سال بتا تُجھ میں نیا پن کیا ہے؟ طُوبیٰ نُور

وحشتِ جاں! مری حسرت کے یوں ریشے نہ ادھیڑ

یوں میرے خوابوں کی لاشوں میں سے رستہ نہ بنا

زندگی دیکھ تیرے دیدہ تمسخر کی قسم

ہم تجھے چھوڑنے والے ہیں تماشا نہ بنا

اے نئے سال! بتا تُجھ میں نیا پن کیا ہے؟

کیا سال بدلنے پر کچھ بدلا ہے؟ کیا پاکستان کے حالات بدلے ہیں؟ کیا سال بدلنے پر نفاذ اردو کے لیے کوئی عمل درآمد ہوا ہے؟ کیا انسانوں نے بے زبان جانوروں کے ساتھ بے رحمی اور بے دلی سے پیش آنا بند کیا؟ کیا سال تبدیل ہونے سے فلسطین، برما و کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو غاصب طاقتوں کے ظلم و ستم سے آزادی ملی؟

جب سال کے بدلنے پر کچھ نہیں بدلا تو پھر کیوں نئے سال کی آمد کے اتنے چرچے؟ صرف اعداد و شمار کے بدلنے سے کچھ نہیں ہو گا "سال کے ساتھ حالات بدلیں تو بات بنے" اور حالات کیسے بدلیں گے؟

نئے سال میں نیا پن پتہ ہے کیا ہے؟

صرف سال کا نام بدلا ہے.

مرے وطن کے حالات ویسے تو بالکل بھی نہیں ہیں جن کو بنیاد بنا کر دو قومی نظریہ پیش کیا گیا تھا اور الگ ریاست کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ مملکتِ خُداداد "اسلامی جمہوریہ پاکستان" صرف نام کا جمہوری ملک ہے۔ یہاں آئین کے مطابق تو عوام کو آزادانہ طور پر اپنے لئے حکمران چننے کا حق ہے مگر عملاً ان سے تمام حق چھین لیے گئے ہیں۔ یہاں اثر و رسوخ رکھنے والوں کو ہی تمام تر حقوق ملتے ہیں۔ اس نئے سال میں میرے ملک کے حکمرانوں کے دل بھی نہیں بدلے۔

وہی غربت، لوٹ مار، بھوک و افلاس سے تڑپتے بلکتے بچے، قتل و غارتگری، دہشت گردیاں، ملک و قوم کو مہنگائی کے نام پر لوٹنے والے لٹیرے سیاستدان، حکمرانوں کے پاس عالیشان عمارتیں، زندگی کی ہر آسائش سے مزین جدید طرز پر بنی کوٹھیاں، بنگلے، مہنگی ترین گاڑیاں اور عوام کے پاس بدن ڈھانپنے کو لباس نہیں، سر چھپانے کو چھت بھی نہیں ہے، سب کچھ ویسا ہی ہے کچھ بھی تو نہیں بدلا اب تک۔۔۔

زندگی سامنے مت آیا کر

ہم تجھے دیکھ کے ڈر جاتے ہیں

اس نئے سال میں بھی نفاذ اردو کے فیصلے پر عمل درآمد نہیں ہوا، خدا جانے کب وہ دن آئے گا جب اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نجی و سرکاری اداروں میں قومی زبان "اردو" کا نفاذ ہو گا۔ دیارِ غیر کی زبان کو ہمارے دفتروں، اسکولوں، کالجوں سے رخصت کیا جائے۔ اللہ پاک وہ دن خیر سے لائے۔

جانتے ہیں ناں! گزشتہ کتنے برسوں سے معصوم لوگ جابروں کے زیرِ تسلط ہیں، کیسے پاکستانی حکمران امریکہ کے کھائے ہوئے ٹکڑوں کی وجہ سے اپنے قبلہءاول کی مدد نہیں کر رہے، ورنہ ہمارے پاکستان کے پاس وہ ایٹمی طاقت، میزائل اور ٹینک ہیں کہ جن کے

ایک نشانے سے امریکی کتے بھونکنا چھوڑ دیں، صیہونی لعین فلسطین کی طرف آنکھ اٹھانا بند کر دیں بلکہ نیست و نابود ہو جائیں مگر ہم لوگ تو ان کے غلام ہیں ناں! آئے روز آئی ایم ایف کی طرف سے قرضوں کی فراہمی پھر بھی ملک میں غربت۔ کشمیر، برما اور فلسطین کے لوگوں کو کب کافروں، یہودیوں، صیہونی لعینوں سے نجات ملے گی؟ یہ سب تب ہی ممکن ہے جب ہم دشمنوں کی صفوں سے نکل کر اپنے فلسطینی بہن بھائیوں کے حق میں سینہ تان کر آواز بلند کریں گے اور جب ہم ظالم و جابر کے سامنے تیغ و سناں بن کر ابھریں گے۔ اگر نئے سال میں یہ تبدیلی ہو جائے تو کیا بات ہے۔ مگر افسوس چودہ روز گزر گئے اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سڑکوں اور گلی کوچوں میں بے زبان جانوروں پر تشدد دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے مگر تشدد کرنے والوں کو رحم نہیں آتا، گلیوں میں گھومتے بلیوں اور کتوں کو کیا آپ ایک لقمہ روٹی بھی نہیں دے سکتے؟

کہتے ہیں کہ عادت خراب ہو جائے گی ان کی اور روز آیا کریں گے۔ ارے! شرم و حیا نہیں آتی؟ کیا سوچا ہے کبھی کہ ہم جو روز دن میں کئی بار کھاتے ہیں، بار بار کھاتے ہیں، ان کو تھوڑا سا کھلا دیں تو کمی نہیں پڑے گی۔ خدارا! ان سے محبت و شفقت سے پیش آیا کریں۔

اور وہ ظالم لوگ بھی نہیں بدلے اس نئے سال میں جو ایک بھاری بھر کم گدھا گاڑی یا ریڑھے پر منوں کے حساب سے وزن لاد کر ایک بے زبان گدھے کی کمر کا کچومر نکالتے ہیں اور اگر وہ اپنے اوپر لادے ہوئے وزن کی تاب نہ لا کر رک جائے تو لاٹھی اور چھڑی کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں کیا یہ ظلم نہیں؟؟ سوچیں ناں! اس گدھے کی جگہ آپ ہوں اور آپ کو بھی ایسے ہی ڈنڈے سے مارا جائے تو آپ پر کیا گزرے گی؟ کچھ تو شرم کریں۔

اے کاش! ہم نئے سال کے ساتھ اپنی روش بھی تبدیل کریں تاکہ ہماری حالت میں تبدیلی آئے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

دعا ہے کہ رب العالمین اس نئے سال کو ہم سب انسانوں اور جانوروں کی زندگی میں سکون، خوشیوں اور امن کا گہوارہ بنا دے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

تحریک نفاذِ اردو ضلع لاہور کی پُر عزم خواتین کا قافلہ افیشن شہریار کی قیادت میں

اردو ہماری قومی پہچان کیوں نہیں؟ (خلیل احمد تھند)

اردو ہماری قومی پہچان اور ملک بھر میں بولی سمجھی جانے والی عام فہم زبان ہے لیکن بد قسمتی سے ہم مبارکباد و تحسین، عام بول چال کی اصطلاحات، رشتوں ناتوں کی تفصیلات وغیرہ کے لئے اپنی زبان کی بجائے انگلش زبان کا سہارا لیتے ہیں جس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ہم بدیسی زبان سے بہت زیادہ مرعوب ہیں یا پھر ہمارا خطہ گونگا ہے اس کی کوئی زبان نہیں ہے یا ہمارے خطے کی زبان میں ان امور کے لئے موزوں الفاظ موجود نہیں ہیں۔ یہ بظاہر معمولی مسئلہ محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس امر کا غماز ہے کہ ہمیں بحیثیت قوم اپنی خودداری، وقار اور شناخت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

معمولی غور کیا جائے تو انگریزی بولنے والے انگریز ہیں عربی بولنے والے عرب ہیں ترکی زبان بولنے والے ترک ہیں سپین والے اسپینش زبان بولتے ہیں روس والے روسی زبان بولتے ہیں چائنہ والے چائنی زبان بولتے ہیں جاپان والے جاپانی زبان بولتے ہیں لیکن ہم پاکستانی اردو خواں پاکستانی ہیں نا انگریزی خواں انگریز! ہم اپنی زبان میں ایک غیر ملکی زبان کا جوڑ لگا کر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ہماری زبان اردو میں دنیا کی بہترین اور انتہائی شائستہ الفاظ و اصطلاحات موجود ہیں

ہم اس امر کو سمجھتے ہیں کہ ہر زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ گھر کئے ہوئے ہیں یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے قوموں کے باہمی روابط اور میل جول کی وجہ سے ایسا ہونا عین فطری ہے البتہ ہر زبان نے دوسری زبانوں کے جو الفاظ اپنے اندر جذب کئے ہیں وہ اسی زبان اور لہجے کا مستقل حصہ بن چکے ہیں لیکن ہم واحد قوم ہیں جس نے انگلش زبان کے الفاظ تراکیب کا بے جوڑ اور بے محل استعمال معمول بنایا ہوا ہے اس خبط کی وجہ سے ہماری پہچان داغدار ہو چکی ہے ہم اردو خواں ہیں نا انگریزی خواں، ہم ہنس ہیں نا ہی کوے!

زبان کے معاملے میں ہمارا رویہ خود دارانہ کی بجائے مرعوبانہ اور چربہ روش ہے یہ رویہ ہمارے قومی فکری معیار کا عکاس ہے۔ ہماری حکومتوں میں موجود انگریز لے پالکوں نے ہماری نسلوں کے ساتھ جو کیا سو کیا ہم نے بحثیت قوم بھی اپنی نسلوں کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے ہم نے اپنی نسلوں کو صاحب زبان بنانے کی بجائے اغیار کے درکا دربان بننے کے لئے چھوڑ دیا ہے اس سے بڑی بد قسمتی کیا ہوگی کہ ہمارے ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ قومی زبان کے نفاذ کا متعلق فیصلہ بھی انگریزی زبان میں تحریر کرتی ہے۔ ہمارے صاحب علم و دماغ اصحاب کے لئے ہماری قومی کیفیت لمحہ فکریہ ہے اپنی قوم کی پہچان کو فنا کے لئے چھوڑ دیں یا بقا کے لئے سربکف ہو جائیں۔

درماندگی کا شوق

مہر قطب علی خان

اپنے الفاظ سے احساس، رشتے، محبت، نفرت، انسان اور زندگی کی باریکیوں کو سلجھانے والی ایک شخصیت ایسی بھی گزری ہے جن کے ذکر کے بغیر پاکستان کی ادبی تاریخ نامکمل ہے۔ لکھنا جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ کتاب جن کی زندگی تھی۔ علم و شعور جن کا زیور تھا اور سب سے بڑھ کر اشفاق احمد کی صورت میں اللہ نے ایسی ہستی ان کی زندگی میں شامل کی، جن سے انہوں نے زندگی بھر کا سبق سیکھا۔ ان کے الفاظ نے وقت پر حکمرانی کی اور ان کے تحریروں نے معاشرے کو وہ اقدار دیے جن سے وہ محروم تھا۔ عمر بھر قلم کا ساتھ نبھانے والی اس شخصیت کو زمانہ بانو قدسیہ کے نام سے جانتا ہے۔

نصف صدی سے زائد عرصہ تک اردو اور پنجابی زبان میں اپنے قلم سے لفظوں کو زبان دینے والی بانو قدسیہ آپا انتہائی باوقار اور خالص دل کی مالک انسان تھیں۔ وہ 28 نومبر 1928 کو ہندوستان کے ضلع فیروزپور میں پیدا ہوئیں۔ اپنی پیدائش کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے بانو آپا کہتی ہیں کہ جب وہ پیدا ہوئیں تو اس وقت موسم بہت خوش گوار تھا، ہلکی بارش ہو رہی تھی، تھوڑی ہی دیر میں ہسپتال کے باہر سے ملٹری بینڈ کی دھنیں بجنی شروع ہوئیں قریب ہی ایک جوتشی بیٹھا تھا جس نے کہا: ابھی اس وقت اس ہسپتال میں ایک بھگت پیدا ہوا ہے۔ بانو کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا، انہوں نے ابتدائی تعلیم فیروزپور اور دھرم شالہ میں ہی حاصل کی۔ بچپن سے ہی انہیں لکھنے کا شوق تھا اور ابھی صرف پانچویں جماعت کی طالبہ تھیں جب انہوں نے اپنی پہلی تحریر رقم کی۔

دورانِ تعلیم ہی ان کی ملاقات اشفاق احمد کے ساتھ ہوئی۔ ان کی سوچ و فکر میں اتنی مماثلت تھی کہ کچھ عرصے بعد وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ ایک انٹرویو میں جب بانو آپا سے سوال کیا گیا کہ کیا ان کی شادی محبت والی شادی تھی تو بانو آپا نے جواب دیا: ”اشفاق احمد صاحب کی طرف سے تو یقیناً محبت والی شادی تھی کیوں کہ جو انسان اپنے سے کمزور انسان کو اپناتا ہے تو لازمی طور پر وہ اس سے محبت کرتا ہے لیکن دوسری طرف جو اپنے سے بہتر شخص کو اپناتا ہے وہ یقیناً اپنے لیے کسی لاٹھی یا سہارے کی تلاش میں ہوتا ہے۔“

ساری عمر ان دونوں کے درمیان محبت اور احترام کا لازوال رشتہ قائم رہا۔

اشفاق صاحب کے توسط سے ان کی پہلی تحریر رسالہ ادب لطیف میں ”درماندگی شوق“ کے نام سے شائع ہوئی۔

”مرزا غالب“؛ گلزار صاحب اور کیفی عظمی

غالب، اُردو ادب کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے، جس نے ہر موضوع پر اپنی ہنر مندی، تخلیق اور صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

ہمارے اُردو ادب کی تاریخ ہمیشہ غالب جیسی عظیم شخصیت پر فخر کرتی رہے گی۔

معاشرہ میں عام طور پر ہم پیشہ افراد میں نوک جھونک کے واقع منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ ادبی و شعری محافل میں بھی ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اردو کے عظیم المرتبت شاعر مرزا غالب اور استاد شاہ ابراہیم ذوق ہم عصر شعراء تھے۔ ان دونوں میں آپسی چشمک کے بے شمار واقعات ظہور پذیر ہوئے.

ایک بار مرزا غالبؔ اپنی دیوڑھی میں ٹہل رہے تھے اور ان کے پیچھے ان کے شاگرد بھی تھے اتفاق سے دوسری سمت سے ابراہیم ذوق کی سواری آ رہی تھی۔ غالبؔ نے ان کو دیکھ کر قدرے بلند آواز میں یہ مصرعہ پڑھا،

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

غالبؔ کا طنز سن کر ذوق دل ہی دل میں کڑھتے رہے. دوسرے دن انہوں نے بادشاہ وقت بہادر شاہ ظفرؔ کی خدمت میں سارا ماجرا سنایا ۔ ایک مرتبہ جب مرزا غالبؔ بھی موجود تھے اور استاد ذوق بھی تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے غالب سے اس واقعہ کے تعلق سے دریافت کیا۔ غالب بذلہ سنجی اور ظرافت کے ماہر ہی نہیں بلکہ بلا کے حاضر جواب بھی تھے.... انھوں نے اقرار کیا اور ساتھ میں وضاحت کی کہ یہ میری نئی غزل کے مقطع کا اول مصرعہ ہے بعد ازاں بادشاہ اور ذوق کی فرمائش پر پوری غزل سنا ڈالی جس کا ہر شعر اپنے آپ میں ایک جہاں ہے. ملاحظہ ہو

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

ہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہمارے جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشک بو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

اردو

ایک تھی اردو ایک تھی انگلش
دونوں میں رہتی تھی رنجش
انگلش گوری ہٹی کٹی
اردو دبلی پتلی پٹی
انگلش کے ہونٹوں پر گالی
اردو گاتی تھی قوالی
دونوں کے انداز الگ تھے
سوز الگ تھے ساز الگ تھے
انگلش اک مضبوط زباں تھی
اردو بھی مخلوط زباں تھی
سارے جہاں کے رنگ تھے اس میں
ست رنگی آہنگ تھے اس میں
انگلش کے لاکھوں متوالے
اردو والے بھولے بھالے
انگلش کے چرچے بھی بہت تھے
مہنگی تھی خرچے بھی بہت تھے
یہ گوری انگریزوں والی

منہ زوری سو نیزوں والی
انگلش کے مداح تھے گھر گھر
بول رہے تھے سب فر فر فر
دونوں کا ٹکراؤ عجب تھا
گھاؤ عجب، الجھاؤ عجب تھا
لیکن اردو، اردو ٹھہری
ہر اک بات تھی اس کی گہری
اپنے قول پہ پوری اتری
ہر ماحول پہ پوری اتری
مجھ کو انگلش راس نہ آئی
وہ بھی میرے پاس نہ آئی
انگلش دھوپ تھی اردو سایہ
میں نے اردو کو اپنایا
اُردو نے تہذیب سکھائی
جینے کی ترتیب سکھائی

مراسلہ: ثانیہ اعوان، اسلام آباد

اردو۔۔نافع سلطان (بہاولنگر)

عزت کی دستار ہے اردو

غیرت کی للکار ہے اردو

قائد بھی،سالار ہے اردو

حرمت کی حقدار ہے اردو

جرآت کا اظہار ہے اردو

باطل کا انکار ہے اردو

زبانوں میں سردار ہے اردو

خوبصورت شاندار ہے اردو

پاکستان کی پکار ہے اردو

قوم کو بھی درکار ہے اردو

اور کتنی تعریف کریں ہم

عطائے رب غفار ہے اردو

رنگ خشبو مہکار ہے اردو

شان شوکت شہکار ہے اردو

نافع سلطان اور کیا لکھیں

جان! جان بہار ہے اردو

غزل۔۔کرن ظفر فیصل آباد

کچھ بسری بیتی یادوں میں

کچھ ان چاہی ان راتوں میں

موسم کے بکھرے پتوں پر

تیری چاہت کا رنگ نمایاں ہے

تیرے سرد سے اکھڑے لہجے میں

لفظوں کے تیر نمایاں ہیں

اب خلعش جو ابھر پڑی ہے

بغاوت کی ہی اک لڑی ہے

محبت کے اس سفر میں جاناں

یہ انائیں کام نہیں آتیں

کچھ نام مٹانے پڑتے ہیں

شمائیں جلانی پڑتی ہیں

ان بیتی بسری یادوں میں

کچھ ان چاہی ان راتوں میں